روایاتِ سیرت(غزوات وسرایا)کی تشریعی حیثیت

The Legislative status of Riwāyāt Sīrat (Ghazawāt wa Sirāyā)

Muhammad Asif Haroon
Ph.D Scholar, Institute of Islamic Studies, PU, Lahore:
af.haroon27@gmail.com

Dr. Muhammad Saad Siddiqui
Ex Director, Istitute of Islamic Studies, PU, Lahore:
saadsidd20@gmail.com

Abstract:

The blessed chain of Prophets, peace be upon them, which Allah had sent for the growth and guidance of mankind, was completed by coming upon the person of Hazrat Muḥammad, peace be upon him. Now, until the Day of Resurrection, only the guidance brought by the Prophet (PBUH) is actionable and acceptable to Allah. Therefore, Allah Almighty has declared every moment of the life of the Prophet (PBUH) as good for us. Allah Almighty has said: "There was goodness for you in the Messenger of Allah." Indeed, the life of the Messenger of Allah (peace and blessings of Allah be upon him) is good for you. There are two parts (Makkī life, Madanī life). After the arrival of the Muslims in Madīnah, an important task was to defend the Muslims and Madīnah Tayyaba from the infidels. In addition, it is also necessary to overcome the obstacles in the promotion of Islam and the exaltation of the Word of Allah. For this purpose, where negotiations, letters and diplomacy were adopted, there was also the need for armed struggle. The journeys made by Prophet Muhammad in different directions are called Ghazawāt and Sirāyā. The study of the life of the Prophet (PBUH) is called only Sīrat or Sīrat Nabawī, every aspect of which is a torch for us. Therefore, Ghazawāt and Sirāyā are also called. There are aspects of guidance for us, the details of which are known from the Holy Qur'ān and various traditions It will be discussed using the word Ghazawāt or Sirāyā for whom? Can we infer Sharī'ah rules from the traditions of these raids and raids or not?

KeyWords: Sīrat, Ghazawāt, Sirāyā, Traditions of Sīrat, Legislative status.

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کا جو بابرکت سلسلہ جاری فرمایا تھا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر آ کر مکمل ہو گیا۔ اب قیامت تک کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت ہی قابل عمل اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک ایک لمحے کو ہمارے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:" لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[1] یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی) میں اسوہ حسنہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو اس کے دو حصے (مکی زندگی، مدنی زندگی) ہیں۔ مسلمانوں کی مدینہ تشریف آوری کے بعد ایک اہم کام کفار سے مسلمانوں اور مدینہ طیبہ کا دفاع تھا۔ اس کے علاوہ اسلام کی ترویج، فتنوں کے انسداد اور اعلائے کلمۃ اللہ میں موجود رکاوٹوں کا سدباب کرنا بھی ضروری تھا۔ اس مقصد کے لیے جہاں گفت و شنید، خطوط اور سفارت کاری کا راستہ اختیار کیا گیا وہیں بقدر ضرورت مسلح جدوجہد کی ضرورت بھی پیش آئی۔ اس مقصد کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ کی زندگی کے مدنی دور میں مسلم مسلح افراد نے مختلف جہات میں جو اسفار کیے ان کو غزوات و سرایا کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطالعہ کو صرف سیرت یا سیرت نبوی کہتے ہیں جس کا ہر پہلو ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اس لیے غزوات و سرایا بھی ہمارے لیے ہدایت کے پہلو رکھتے ہیں جن کی تفصیلات قرآن مجید اور مختلف روایات سے معلوم ہوتی ہیں۔ اس مضمون میں استخراجی طریق تحقیق کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے بارے بحث کی جائے گی کہ غزوہ یا سریہ کا لفظ کس کے لیے بولا جاتا ہے؟ ان غزوات و سرایا کی روایات سے ہم شرعی احکام کا استنباط کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سیرت

عربی زبان میں لفظ سیرۃ "س، ی، ر یعنی سَارَ یَسِیْرُ" باب ضرب سے ماخوذ ہے۔ اس کا مطلب "جانا" ہے۔ "السیرۃ" کا مطلب "السنۃ" سنت ہے۔ "سَارَ یَسِیْرُ "کا ایک مطلب عام ہونا بھی ہے۔ ابو عبید رحمہ اللہ کا قول ہے "سارَ الشيءُ وسِرْتُه، فَعَمَّ؛" اس نے اور میں نے اس چیز کو عام کیا۔ "والسِّيرَةُ: الطَّرِيقَةُ. يُقَالُ: سارَ بِهِمْ سِيرَةً حَسَنَةً" سیرۃ کا ایک مطلب طریقہ بھی ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے انہیں اچھے طریقے پر چلایا۔

---

[1] الاحزاب 33، آیت نمبر 21۔

Aḥzāb, 33:21

"والسَّيرَةُ: الهَيْئَةُ. وَفِي التَّنْزِيلِ الْعَزِيزِ: سَنُعِيدُها سِيرَتَهَا الْأُولى[2]" سیرت کا مطلب حالت اور کیفیت بھی ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ ہم اسے اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے[3]۔ سیرت کی اصطلاحی تعریف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ڈاکٹر صلاح الدین ثانی نے سیرت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:"نبوت سے پہلے اور بعد کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خَلقی و خُلقی صفات کو سیرت کہا جاتا ہے[4]۔شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے سیرت کی تعریف یوں کی ہے:"جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات بیان کیے گئے ہوں وہ سیرت ہے"[5]۔

غزوہ

غزوہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کی جمع "غزوات" ہے۔ یہ لفظ "غزا الشيئ غزوًا" سے ماخوذ ہے جس کا لغوی مطلب، قصد، ارادہ اور طلب کرنا کے ہیں۔ابن منظور افریقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:" غَزَا الشيءَ غَزْواً: أَرادَه وطَلَبَه. وغَزَوت فُلاناً أَغْزُوه غَزْواً ـــــ والغَزْوُ: القَصْدُ"[6] "غزا الشيئ غزوا" کا مطلب ہے اس نے اس (چیز) کا ارادہ کیا اور اس کو طلب کیا،"غزوت فلانا" کا مطلب ہے میں نے اس کا ارادہ کیا،"الغزو" سے مراد ارادہ کرنا ہے۔ خلیل بن احمد الفراہیدی رحمہ اللہ اپنی کتاب "کتاب العین" میں غزوہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "غزو:غَزَوْتُ أَغْزُو غَزْواً، والواحدة غَزْوةٌ"غزو:غزوت میں نے غزوہ کیا، اغزو غزوًا اور اس کی واحد

---

[2] طٰہٰ20، آیت نمبر21۔

Tuāhā, 20:21

[3] ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم بن علی، علامہ، لسان العرب، (بیروت: دار صادر، 1414ھ)، 4/389، 390۔

Ibn Manzūr al-Afrīqī, Muḥammad ibn Mukrim, Allāmah, Lisān al-'Arab, (Beirūt, Dār Ṣādir, 1414H), 4/389-390

[4] صلاح الدین ثانی، ڈاکٹر، اصول سیرت نگاری، تعارف، مآخذ و مصادر (کراچی: مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی، 2003ء)، 29۔

Ṣalāḥ al-Dīn Thānī, Dr., Usūl Sīrat Nigārī, Ta'āruf, Mākhiz wa Maṣādir, (Karachi, Maktabah Yādgār Shaykh al-Islam Pakistan Alāamah Shabbīr Aḥmad 'Uthmānī, 2003AD) pg. 29

[5] شاہ عبدالعزیز دہلوی، عجالہ نافعہ، (کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، 1964ء)، 14۔

Shāh Abdul Azīz Dehlwi, 'Ujāla Nāfi'ah, (Karachi, Nūr Muḥammad Kārkhāna Tijārat Kutub, 1964AD), pg. 14

[6] ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم بن علی، علامہ، لسان العرب، (بیروت: دار صادر، 1414ھ)، 15/123۔

Lisān al'Arab, 15/123

غزوۃ آتی ہے۔ مزید لکھتے ہیں: "**وجمع الغَزْوةِ غَزَواتٌ. وتقول للرجل:ماغَزْوَتُکَ أي ما تعني بما تقول.وأَغْزَيْتُه أي: بعثته إلى الغَزْوِ**"[7] غزوہ کی جمع غزوات آتی ہے۔ آپ آدمی سے کہتے ہیں "**ماغزوتک**" یعنی جو تم نے بات کی ہے اس سے کیا مراد لی ہے؟ "**اغزیتہ**" کا مطلب ہے کہ میں نے اس کو غزوہ کے لیے بھیجا۔ اصطلاحی طور پر غزوہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے: "**کل ماخرج النبی فیہ سماہ المؤرخون (غزوۃ) سواء حارب فیھا ام لم یحارب**"[8] تاریخ دان ہر اس لڑائی کو غزوہ قرار دیتے ہیں جس کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے ہوں چاہے اس میں آپؐ نے قتال کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ امام تقی الدین مقریزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "**اصطلح الرواۃ واصحاب السیر، ان الغزوۃ: ھی الحرب التی یحضرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسہ**"[9]۔ ماہرین مغازی و سیر کے نزدیک غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود شریک ہوئے ہوں۔ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ غزوہ کے بارے لکھتے ہیں: "مورخین نے غزوہ کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن وامان قائم رکھنے کے لئے دوچار آدمی بھی کہیں بھیج دیئے گئے تو اس کو بھی انہوں نے غزوہ میں شمار کر لیا۔ غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ سریہ بھی ہے۔ غزوہ اور سریہ میں لوگوں کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ میں کم از کم آدمیوں کی ایک خاص تعداد ضروری ہے جبکہ سریہ میں کوئی قید نہیں ہے۔ ایک آدمی بھی کہیں لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیج دیا گیا تو یہ بھی سریہ ہے۔ بعضوں کے نزدیک غزوہ کے لئے یہ شرط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اس میں شرکت کی ہو"[10]۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ غزوہ کی تعریف لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں: "جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی علماء سیر کی اصطلاح میں اس کو غزوہ کہتے ہیں"[11]۔

---

[7] الفراہیدی، خلیل بن احمد، ابو عبد الرحمٰن، کتاب العین، (بیروت: دار و مکتبۃ الھلال، 2007ء) 4/433۔

Al-Farāhīdī, Khalīl ibn Aḥmad, abu Abdul Reḥman, Kitāb al-'Ayn, (Beirūt, Dar Maktabah al-Hilāl, 2007AD), 4/433

[8] سید جمیلی، غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (بیروت: دار و مکتبۃ الھلال، س ن)، 14۔

Syed Jamīlī, Ghazawāt al-Nabī ﷺ, (Beirūt, Dar Maktabah al-Hilāl), pg. 14

[9] المقریزی، تقی الدین احمد بن علی بن عبد القادر، امام، إمتاع الأسماع بما للنبي من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1999ء)، 8/330۔

Al-Maqrayzī, Taqī al-Dīn Aḥmad ibn Alī ibn Abdul Qādir, Imām, Imtā' al-Asmā' bimā li al-Nabī min Aḥwāl wa al-Amwāl wa al-Ḥafadah wa al-Matā', (Beirūt, Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1999AD) , 8/330

[10] شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (لاہور: الفیصل تاجران وناشران، 1991ء)، 1/348۔

سریہ

یہ لفظ عربی زبان کا ہے جس کا مادہ (س،ر،ی) ہے۔ لغوی طور پر اس کا مطلب رات کے وقت چلنا ہے۔ جیسا کہ ابن منظور الافریقی رحمہ اللہ "لسان العرب" میں ذکر کیا ہے:" والسُرَی:سَیرُ اللیلِ عامَّتِہ، وَقِیلَ:السُرَی سیرُ اللیلِ کلِّہ"[12]۔ "السری" کا مطلب رات کا اکثر حصہ چلنا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "السری" کا مطلب ساری رات چلنا ہے۔ اسی طرح لکھتے ہیں:" وسَرَیْت سُریً ومَسْریً وأَسْرَیْت بِمَعْنَی إذَا سِرْت لَیلًا"[13] سریت سری ومسری واسریت اس کا معنی ہے کہ جب آپ رات کے وقت سفر کریں۔ "والسَّرِیَّۃُ:مَابَیْنَ خَمْسَۃِأَنفسٍ إِلَی ثَلَاثِمِائَۃٍ، وَقِیلَ:ھِیَ مِنَ الْخَیْلِ نَحْوُ أَربعمائۃٍ، ولامُھا یاءٌ. والسَّرِیَّۃ:قِطْعَۃٌ مِنَ الْجَیْشِ، یقال:خیرُ السَّریا أَزبعُمائۃِ رجلٍ "السریہ پانچ سے تین سو کے درمیان ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے یہ چار سو کے قریب گھڑ سواروں کو کہتے ہیں۔ اس کا لام کلمہ "یاء" ہے۔ السریہ لشکر سے الگ ہونے والے کو کہا جاتا ہے۔ بہترین سریہ چار سو افراد کا ہوتا ہے۔ "وأَما السَّرِیَّۃ مِنْ سَرایا الجیوشِ فَإِنَّھَا فَعِیلۃ بِمَعْنَی فاعِلَۃ، سُمِّیت سرِیَّۃً لأَنھا تَسْري لَیلًا فِي خُفْیۃٍ لئلَّا یَنْذَرَ بِھِمُ العدوُّ فیحْذَروا أَو یَمْتَنِعُوا"[14] السریہ سرایا الجیوش سے ماخوذ ہے۔ یہ "فَعِیلَۃ" کے وزن پر ہے جو "فاعلہ" کے معنی میں ہے۔ اس کا نام سریہ اس لیے رکھا جاتا ہے کیونکہ یہ رات کو پوشیدہ طور پر نکلتا ہے تاکہ ان سے دشمن ڈرے، وہ ان سے ڈرے یا اس سے باز رہے۔ احمد بن محمد بن علی الفیومی رحمہ اللہ "المصباح المنیر" میں لکھتے ہیں:" وَالسَّرِیَّۃُ قِطْعَۃٌ مِنَ الْجَیْشِ فَعِیلَۃٌ بِمَعْنَی فَاعِلَۃٍ لِأَنَّھَا تَسْرِي فِي خُفْیَۃٍ وَالْجَمْعُ سَرَایَا وَسَرِیَّاتٌ"[15] السریہ

Shiblī Nu'mānī, Allāmah, Sīrat al-Nabī ﷺ, (Lahore: al-Faysal Tājirān wa Nāshirān, 1991AD), 1/348

[11] کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، (دھلی: فرید بک ڈپو، 2001ء)، 2/44۔**

Kandhalwī, Muḥammad Idrīs, Mawlānā, Sīrat al-Muṣṭafā ﷺ, (Dehli, Farīd Book dpt., 2001AD), 2/44

[12] ابن منظور الافریقی، لسان العرب، (بیروت: دار صادر، 1414ھ)، 14/381۔

Lisān al-'Arab, 14/381

[13] ایضاً

Ibid,

[14] ایضاً

Ibid,

[15] الفیومی، احمد بن محمد بن علی، المصباح المنیر فی غریب الزرح الکبیر، (بیروت: المکتبۃ العلمیۃ، س ن)، 1/275۔

Al-Fiyūmī, Aḥmad ibn Muḥammad ibn Ali, al-Miṣbāḥ al-Munīr fi Gharīb al-Zarḥ al-Kabīr, (Beirūt, al-Maktabah al-'Ilmiyyah), 1/275

لشکر کا ہی ایک حصہ ہوتا ہے۔ یہ "فَعِیلَة" کے وزن پر ہے جو فاعلة کے معنی میں ہے۔ اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ رات کو خفیہ طور پر نکلتا ہے۔ اس کی جمع سرایا اور سریّات آتی ہے۔

سیرت کی اہمیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت شارح قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ شارع کی بھی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو سیرت میں شامل ہے جیسا کہ اوپر سیرت کی اصطلاحی تعریف میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سلام اللہ علیہ کے ذمہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح کا کام لگایا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے "وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ"[16]۔ ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن مجید) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو وضاحت سے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے اس کی تشریح و توضیح کی ہے جو سب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہے۔ اسی لیے راغب سرجانی صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دین قرار دیا ہے۔ وہ اپنی کتاب "السیرۃ النبویۃ" میں فرماتے ہیں:

"فليست دراسة السيرة مجرد شيء لطيف نقرؤه، أو نتسلى بقراءته، أو مجرد سيرة رجل عظيم، هذا هو دينك، هذا هو الذي ستقابل به الله سبحانه وتعالى وسيسألك عنه"[17] سیرت کا مطالعہ کرنا صرف اچھی چیز ہی نہیں ہے کہ جو ہم پڑھ کر لطف اندوز ہوں، یا اس کے مطالعہ سے ہم اپنے غم غلط کریں، یا یہ ایک عظیم انسان کی سیرت ہے بلکہ یہ تمہارا دین ہے جس کے ساتھ عنقریب آپ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے اور اللہ عزوجل اس کے بارے سوال کریں گے۔ سیرت طیبہ دین کا حصہ ہے اس لیے بھی اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ مطالعہ سیرت کی اہمیت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حضرت سعد بن ہشام رحمہ اللہ کو دیے جانے والے جواب سے بھی واضح ہوتی ہے جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے پوچھنے پر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ"[18] آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا اخلاق قرآن مجید

---

[16] النحل 16، آیت 44۔

Al-Naḥl, 16:44

[17] راغب الحنفی السرجانی، السیرۃ النبویۃ، (تفریغ موقع الشبکۃ، مکتبۃ الشاملۃ)، 1/13۔

Rāghib al-Ḥanafī al-Surjānī, al-Sīrah al-Nabawiyyah, (Tafrīgh Mawqa' al-Shabakah, Maktabah Shāmila), 1/13

[18] احمد بن حنبل، امام، المسند، (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، 2001ء)، 42/183۔

تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ایک پہلو "اخلاق" کو قرآن مجید قرار دیا ہے کیونکہ یہ اسی کی عملی تشریح و توضیح تھی۔ آپ علیہ السلام کی سیرت دین کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے یہ مسلمانوں کے لیے قابلِ اتباع ہے۔

روایاتِ سیرت اور ان کی تشریعی حیثیت

ابتدائی طور پر روایاتِ سیرت، دراصل حدیث و سنت میں ہی شامل و داخل ہوا کرتی تھیں پھر دورِ تدوین سے توسع اور ترقی کے ساتھ فنِ سیرت نے اپنی مستقل حیثیت اختیار کرلی۔ غزوات و سرایا کا معتدبہ حصہ قرآن مجید، حدیث و سنت کی روایات میں بھی موجود ہے اس کے ساتھ ساتھ روایاتِ سیرت میں بھی موجود ہے۔ قرنِ اول کی انتہاء تک روایاتِ غزوات و سرایا پر مغازی کا اطلاق ہوتا رہا۔ پھر جب علمِ سیرت نے اپنی مستقل حیثیت اختیار کی تو ان روایات میں توسع و ترقی کے ساتھ ان پر سیرت کا اطلاق ہونا شروع ہوا۔ چنانچہ ابن اسحاق کی مغازی کو سیرت ابن اسحاق بھی کہا جاتا تھا۔ باضابطہ طور پر روایاتِ مغازی و سیر پر روایاتِ سیرت کا اطلاق ابن ھشام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب لکھ کر کیا اور ان روایات کو "السریۃ النبویۃ" کے نام سے موسوم کیا۔ بہر حال ابتداءًا جو غزوات و سرایا کی روایات مغازی و سیر کے طور پر سامنے آئیں تھیں، اپنے تاریخی اسلوب کے تحت اب وہ روایاتِ سیرت کا حصہ ہی شمار ہوتی ہیں۔ بلآخر سیرت نگاروں نے ان روایات کو سیرت کے اہم دور "مدنی دور" کے اہم ترین مبحث "غزوات و سیرایا" کے تحت نقل کیا ہے۔ سیرت میں موجود ان روایاتِ غزوات و سرایا کی تشریعی و مصدری حیثیت سے واقفیت ازبس ضروری ہے۔ تاکہ اس نتیجہ پر پہنچا جاسکے کہ ان سے شرعی احکام کا استنباط ہو گا یا نہیں؟ ذیل کی سطور میں اس سوال کے جواب کی تلاش کی جاسکتی ہے۔

اس سوال کا جواب دینے سے قبل یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا معتدبہ حصہ قرآن مجید اور صحیحین میں موجود ہے۔ قرآن مجید اور صحیحین کی روایاتِ سیرت سے تو مسائل فقہیہ اخذ کرنے میں کوئی مذائقہ نہیں کیونکہ قرآن حکیم تو قطعی الثبوت ہے جبکہ صحیحین کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ دیگر کتبِ احادیث اور ذخیرہ سیرت میں بھی ہر دو طرح کی یعنی مقبول و غیر مقبول روایات پائی جاتی ہیں اور سیرت نگاروں نے بھی اپنے سیرت کے مواد میں اس فرق مراتب کو مد نظر رکھا ہے جن کو محدثین وفقہاء نے رکھا ہے۔ چنانچہ امام حلبیؒ نے اس بات کی وضاحت میں تحریر فرمایا ہے۔

Aḥmad ibn Ḥanbal, Imām, al-Musnad, (Bierut, Mu'assisah al-Risālah, 2001AD), 42/183

"ولا یخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم والضعیف والبلاغ والمرسل والمنقطع والمعضل دون الموضوع ومن ثم قال الزین العراقی رحمه الله: ولیعلم الطالب ان السیر تجمع ما صح وما قد انکر.....وفی الاصل والذی ذهب الیه کثیر من اهل العلم الترخص فی الرقائق وما لا حکم فیه من اخبار المغازی وما یجری مجری ذالک وانه یقبل منها مالا یقبل فی الحلال والحرام لعدم تعلق الاحکام بها."[19]

اس اقتباس سے جہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیرت کی روایات میں صحیح، ضعیف، مرسل و منقطع وغیرہ جیسی ہر قسم کی روایات ہوتی ہیں وہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ سیرت کے مضامین کو مربوط رکھنے کیلئے انہیں کمزور روایات کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے اور صحت و استناد میں نرمی کا پہلو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔ خاص طور پر ایسی روایات میں جن کا تعلق اخلاقیات اور جنگی احوال سے ہو البتہ احکام والی روایات میں صحت و استناد کی شرط ہی مقبول ہو گی۔ تاہم یہ بات اپنی جگہ مبنی بر حقیقت ہے کہ روایاتِ سیرت میں رطب و یابس موجود ہے۔ بعض سیرت نگاروں کے تساہل کی وجہ سے ان کا رتبہ احادیث احکام کے مساوی تو نہیں ہے لیکن تمام ذخیرہ سیرت پر تساہل اور عدم صحت و استناد کا یکسر حکم لگا دینا بھی ہر گز مناسب نہیں ہو گا کیونکہ ایسی کمزور روایات کی کتب حدیث و سنت میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ مجموعی حیثیت سے احادیث احکام کو روایاتِ سیرت پر فوقیت دینا اس اعتبار سے درست ہو گا کہ ان احادیث میں محدثین نے کڑی شرائط کے تحت نقد و نظر کا اہتمام کیا ہوتا ہے، کیونکہ شرعی احکام کا استنباط تب ہی ممکن ہو گا جب وہ احادیث محدثین وفقہاء کے طے کردہ اصول روایت و درایت پر پورا اتریں گی۔ البتہ سیرت کی بیشتر روایات میں چونکہ استنباطِ احکام کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے ان روایات میں وہ کڑی شرائط بھی مد نظر نہیں رکھی جاتیں۔ لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ احادیثِ احکام میں سے ہر ہر حدیث، روایاتِ سیرت میں سے ہر ہر روایت کے مقابلے میں برتر اور فائق ہے۔ یہ ترجیح و فوقیت مجموعی اعتبار سے ہو گی نہ کہ انفرادی طور پر، کیونکہ روایاتِ سیرت میں سے کچھ روایات ایسی بھی ہو سکتی ہیں جن کی سند احادیثِ احکام میں سے کسی حدیث کے مقابلے میں اعلی درجے کی ہو اور اس پر بھی اصح الاسانید کی مہر لگی ہوئی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ احادیث احکام ہوں یا روایاتِ سیرت (بشمول روایات غزوات و سرایا) دونوں کی صحت و ضعف کا اصل معیار سند و متن ہے۔ چنانچہ کتبِ احادیث و سنن

---

[19] ۔ الحلبی، علی بن برہان الدین الشافعی، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، (بیروت: المکتبۃ الاسلامیہ، س ن)، 1/2۔

Al-Ḥalabī, Alī ibn Burhan al-Dīn al-Shāfa'ī, Insān al-'Uyūn fi Sīrah al-Amīr al-Ma'mūn, (Beirūt, Maktabah al-Islamiyyah), 1/2

میں مذکور کوئی روایت اگر ایسی ہے جو محدثین کے اصولِ روایت و درایت پر پورا نہ اترے تو محض اس وجہ سے کہ وہ کتبِ احادیث و سنن میں مذکور ہے اس کو کوئی امتیازی درجہ نہیں دیا جائے گا، نہ ہی وہ قابل اعتماد ہو گی اور نہ ہی اس سے شرعی احکام کا استنباط ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی روایت ایسی ہے جو کتبِ سیرت میں مذکور ہے اور کتبِ احادیث و سنن میں اس کا وجود تک نہیں، لیکن وہ محدثین و فقہاء کے اصولِ روایت و درایت پر پورا اترتی ہے تو اس کو نفس صحت واستناد میں وہی درجہ دینا ہو گا جو کتب احادیث و سنن میں موجود دیگر صحیح روایات کو دیا جاتا ہے۔ وہ قابل اعتماد بھی ہو گی اور اس سے شرعی احکام کا استنباط بھی ہو گا۔ محض اس بنا پر کہ وہ کتبِ سیرت میں مرقوم ہے اس سے کوئی امتیازی رویہ اختیار کرنا خلاف قاعدہ اور محدثین کے اصولوں کے منافی تصور کیا جائے گا۔

روایات، کتبِ احادیث و سنن کی ہوں یا کتبِ سیرت کی، کتابوں کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ سند و متن کے معیار کو دیکھا جائے گا۔ اگر معیار سند و متن پر پورا اترنے والی روایت کتبِ احادیث و سنن میں مذکور ہے تو بھی سر آنکھوں پر اور اگر وہ روایت کسی ایک سیرت کی کتاب میں پائی جاتی ہے تب بھی وہ علی الرأس والعین سمجھی جائے گی ۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ کتبِ سیرت کی روایات میں اس معیارِ صحت سند و متن پر فائز مرویات نسبتاً کم اور کتبِ احادیث و سنن میں موجود مرویات نسبتاً زیادہ ہیں، تو اس اعتبار سے محدثین وفقہاء کے نزدیک صحیح روایات کو روایاتِ سیرت کے مقابلے میں ترجیح وفوقیت حاصل ہو گی، تو یہ بات مجموعی لحاظ سے تو درست ہو سکتی ہے لیکن انفرادی لحاظ سے درست نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ حکیم عبد الرؤف داناپوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

"الغرض محدثین کے ہاں جو صحیح روایتیں ہیں، اصحابِ سیرت کو ان کی ترجیح میں کلام نہیں ہے لیکن ان کو اپنی ضروریات کیلئے اور روایتیں بھی لینی پڑتی ہیں جس کے لیے وہ اپنا الگ معیار قائم کرتے ہیں۔ بلاشبہ جس طرح حدیث کی کتابوں میں محدثین کے شدید احتیاط کے باوجود بہت سی غلط اور موضوع روایتیں داخل ہو گئی ہیں، اس طرح سیرت میں بھی بہت سی موضوع روایات ہیں۔ اگر ان موضوع مرویات کو خارج کر دیا جائے تو دنیا کی کسی قوم کی کوئی تاریخ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس لیے کہ اور کہیں نہ سند ہے نہ ان موضوعات کو ہی جدا کیا جا سکتا ہے[20]۔

---

[20] ۔ داناپوری، عبد الروف، اصح السیر فی ھدی خیر البشر، (کراچی: مجلس نشریات اسلام، 1981ء)، ص:10، 11۔

Dānāpurī, Abdul Ra'ūf, Aṣaḥ al-Siyar fi Hady Khayr al-Bashr, (Karachi, Majlis Nashriyat Islam, 1981AD), pg. 10-11

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں معتدل اور متوازن موقف یہی ہے کہ متقدمین (محدثین وفقہاء) کے اصولِ روایت ودرایت کو صحیح تسلیم کرکے ان کو روایاتِ سیرت بشمول روایاتِ غزوات وسرایا پر جاری کیا جائے۔ اگر سیرت کے کسی واقعہ یا روایت سے شرعی وفقہی مسئلہ کا اثبات واستنباط مقصود نہ ہو تو پھر محدثین وفقہاء کی طے کردہ شرائط کے تحت حدیث ضعیف کی تمام اقسام قبول کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم اگر کسی واقعہ سیرت یا روایت سیرت سے کسی شرعی حکم کا اثبات واستنباط مقصود ہو تو محدثین وفقہاء کے قواعد واصولوں کے تحت اس روایت کی اسی طرح چھان پھٹک کرلی جائے جس طرح احادیثِ احکام میں کی جاتی ہے۔ محض اس بنا پر کہ اس روایت یا واقعہ کو اربابِ سیرت نے ہی بیان کیا ہے اور اس کو اصحابِ صحاح وسنن نے ذکر نہیں کیا، اس سے استدلال کرنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر وہ روایت وواقعہ اصولِ روایت ودرایت پر پورا اترتا ہے تو اس سے شرعی حکم مستنبط کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: "ہاں! اگر کوئی شخص ان سے عقیدہ یا عمل کا مسئلہ ثابت کرنا چاہے تو روایت وراوی کی محدثانہ تنقید وتحقیق اس کی اپنی ذمہ داری ہے جبکہ آئمہ فن اس سے بری ہیں۔ علماء محققین نے اس کو پوری طرح واضح کردیا ہے کہ عقائد واعمال شرعیہ کے معاملے میں تاریخی روایات جو عموماً صحیح وسقیم، معتبر وغیر معتبر کا مخلوط مجموعہ ہوتی ہیں۔ ان کو نہ کسی مسئلے کی سند میں پیش کیا جاسکتا ہے نہ بلا تحقیق محدثانہ ان سے استدلال کرکے کوئی مسئلہ شرعیہ ثابت کیا جاسکتا ہے"[21]۔

چنانچہ دور قدیم وجدید کے سیرت نگاروں میں ایسے اعتدال پسند لوگ موجود ہیں جنہوں نے محدثین وفقہاء کے اصولِ روایت ودرایت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو روایاتِ سیرت پر جاری کرنے کی مکمل اور کامیاب کوشش کی ہے۔ اصولی اور بنیادی مضامین صحیح احادیث کی روشنی میں طے کیے پھر تکمیلی ضرورت کے تحت یا مضامینِ سیرت کو مربوط بنانے کے لیے یا درمیانی خلا پر کرنے کے لیے[22] محدثین وفقہاء کے معیار کے تحت رہ کر "واہی" اور

---

[21] ۔ محمد شفیع، مفتی، مقام صحابہ، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 1430ھ)، ص:28۔

Muḥammad Shafī', Muftī, Maqām-e-Ṣaḥābah, (Karachi, Maktabah Mu'ārif al-Qur'ān, 1430H), pg. 28

[22] ۔ ڈاکٹر ضیاء العمری نے "اکمال الفراغ" یعنی خلا پُر کرنے کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ لکھتے ہیں "ایسی ضعیف روایات جن کو (شواہد وغیرہ کے ذریعے سے) قوی اور مضبوط کرنے کی کوئی صورت نہ ہو، ان سے ایسا خلا پُر کرنے کے لیے استفادہ کیا جاسکتا ہے جو صحیح اور حسن روایتیں پُر نہیں کرسکتیں بشرطیکہ ان کا عقیدے یا شرعی پہلو سے کوئی تعلق نہ ہو" (السیرۃ النبویہ ۱/ ۴۰)

"موضوع" کے علاوہ دیگر اقسام ضعیف سے مکمل استفادہ کیا۔ جن اقسامِ حدیث یا روایات کو متقدمین نے جو درجہ دیا انہوں نے بھی وہی درجہ دیا۔ ان اعتدال پسند سیرت نگاروں نے قرآن مجید کے علاوہ سب سے پہلے ان روایات کا انتخاب کیا جو صحیح ترین روایات ہیں۔ پھر ان روایات کو درج کیا جو صحت میں ان کے بعد درجہ رکھتی ہیں جیسے حسن روایات۔ ان کے بعد وہ روایات جو حسن کے قریب تر ہوں یعنی ضعیف روایات کی طرف مراجعت بھی کرتے ہیں بشرطیکہ وہ ضعیف روایات عقائد و شریعت سے تعلق نہ رکھتی ہوں۔ ہاں اگر وہ اخلاقیات، عمرانیات، صنعت و حرفت، زراعت اور مجاہدین کے جذبہ جہاد یا روزمرہ کے عام واقعات کی قبیل سے ہوں اور اس باب میں قوی روایات موجود نہ ہوں تو پھر وہ ان روایات سے استفادہ کرنے میں کوئی امر مانع نہیں خیال کرتے۔ البتہ یہ حضرات ان روایات کے تعارض کے وقت اسی ترتیب کے ساتھ اقوی کو قوی پر اور قوی کو کمزور پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان اعتدال پسند سیرت نگاروں میں، امام ابن کثیر، امام ابن قیم الجوزیہ، امام ذھبی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ ابن دیبع، علامہ شبلی نعمانی،

اس سلسلے میں پہلی اہم بات تو یہ ہے کہ "فراغ" سے مراد کیا ہے۔ اس کا درست طریقے سے تعین کرنا ضروری ہے ورنہ بہت ساری ضعیف احادیث، مثلاً واقدی کی روایات، جو کسی نہ کسی پہلو سے کوئی نہ کوئی مزید تفصیل بیان کرتی ہیں اکمالِ فراغ کے نام پر سیرت میں راہ پا جائیں گی، بلکہ بہت سے مصنفین کے ہاں راہ پا چکی ہیں، فراغ کے حوالے سے عدم تعیین اور ابہام، ہر قسم کے رطب و یابس روایات کو، سیرت کا حصہ بنانے کا دروازہ کھول دے گا۔ اگر فراغ سے مراد سیرت کے واقعات کی وہ کڑیاں مراد لی جائیں جو سیرت کے فہم، واقعات کی ترتیب اور اس حوالے سے دیگر مشکلات کے حل، مثلاً بظاہر ایک دوسری سے مختلف روایات کے مابین تطبیق کے حوالے سے بھی بعض اوقات کچھ کڑیاں ڈھونڈنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ محدثین نے سیرت سے متعلق میسر آنے والی ان روایات پر بھرپور کام کیا ہے جو بظاہر محدثین کے معیار پر پوری اترتی دکھائی نہیں دیتیں لیکن ان کے ذریعے سے واقعات کی گم شدہ کڑیاں مکمل کی جاسکتی ہیں۔ ان روایات کو محدثین نے بہت فحص و جستجو کے ساتھ جمع کیا ہے ان کے مؤیدات تلاش کیے ہیں۔ ان کے متون یا متون کے ضروری اجزاء کی دیگر عقلی اور نقلی ذرائع سے توثیق کی کوشش کی ہے۔ ان کی مساعی جمیلہ سے واقعات کی اکثر کڑیاں مکمل ہو گئیں۔ سیرت پاک کو غلط روایات سے محفوظ رکھنے اور ضروری کڑیوں کو مکمل کرنے کے لیے یہ اصول اختیار کیا جاسکتا ہے کہ اصل معیار سے کم درجے کی ایسی روایات جنہیں محدثین کے متفقہ طور پر یا ان کی اکثریت نے بحث و تحقیق کے بعد قابل اعتناء سمجھا ہے، انہیں بھی، ان کا مرتبہ واضح کرنے کے بعد، اس غرض سے استعمال کیا جائے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حوالے سے کام کیا ہے مثلاً وہ ایسی مرسل روایات کو قابلِ اعتناء سمجھتے ہیں جو کسی صحیح روایت سے نہیں ٹکراتیں اور جن پر تمام اربابِ سیر کا اتفاق ہے۔ (سیرت انسائیکلوپیڈیا، دارالسلام ۱/ ۱۱۷)

Al-Sīrah al-Nabawiyyah, 1/40; Sīrat Encyclopaedia, Dar al-Salām, 1/117

عبد الرؤف دانا پوری، مولانا ادریس کاندھلوی، سید سلمان منصوری، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، ڈاکٹر حمید اللہ، ڈاکٹر ضیاء العمری اور ڈاکٹر مھدی رزق اللہ رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

اہل السیر کے واقعاتِ سیرت سے استدلال کی مثالیں

سیرت نگاروں میں سے کئی ایک نے اپنی کتب میں واقعاتِ سیرت کے بعد ان واقعات سے مستنبط شدہ مسائل بھی ذکر کیے ہیں۔ اس کے لیے علماء نے فقہ السیرہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ذیل کی سطور میں ان کتب میں سے چند ایک مثالیں درج کی جائیں گی۔

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے سیرت پر عربی زبان میں ایک کتاب "بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ" لکھی ہے۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے جس کے دوسرے حصہ میں غزوات و سرایا پر بحث کی گئی ہے۔ غزوہ احد کے شہداء پر نماز جنازہ کے سلسلہ میں احناف و شوافع کے درمیان اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علمائے احناف کے ہاں شہید کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی جبکہ علمائے شوافع کے ہاں شہید کی نماز جنازہ ادا نہیں کریں گے[23]۔

امام عبد الرحمٰن سہیلی رحمہ اللہ "الروض الانف" میں غزوۃ ذات الرقاع کے سفر سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ خریدنے کے واقعہ، جس میں آپ علیہ السلام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کو بطور ہدیہ دینے کی پیشکش قبول نہ کی بلکہ ان سے کافی بھاؤ تاؤ کر کے قیمت کا تعین کیا، سے استدلال کرتے ہوئے درج ذیل مسائل کو ذکر کرتے ہیں:

- خرید و فروخت کرتے ہوئے بھاؤ تاؤ میں شدت اختیار کرنا جائز ہے۔
- کسی سامان کی اصل قیمت سے زیادہ اس کی قیمت دینا جائز ہے۔
- جو شخص عقلمند، بیع میں ماہر ہو اور وہ کسی سامان کو اس کی اصل رقم سے زائد میں خرید لے جبکہ اس بیع میں کوئی دھوکہ بھی نہ ہو تو بیع کا نفاذ ہو جائے گا اور اس میں رجوع کی گنجائش بھی نہیں ہو گی۔
- بعض فقہاء نے اس واقعہ سے بیع کے ساتھ کوئی شرط رکھنے کے جواز کی دلیل لی ہے[24]۔

---

[23] التتوی، محمد ہاشم بن عبد الغفور، بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ، (حیدر آباد، لجنۃ احیاء الادب السندی، 1386ھ)، ص 151۔
Al-Tatwī, Muḥammad Ḥāshim ibn Abdul Ghafūr, Bazl al-Quwwah fi Ḥawādith Sanā al-Nabawiyyah, (Hayderabad, Lajnah Iḥya' al-Adab al-Sanadī, 1386AD), pg. 151

[24] السہیلی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، الامام، الروض الانف، (القاہرۃ: دار الحدیث، 2008ء)، 3/429، 428۔

غزوہ بنی قریظہ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة" کا حکم ارشاد فرمایا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بنی قریظہ کی طرف سفر شروع کیا تو عصر کی نماز کا وقت سفر کے دوران ہی ہو گیا۔ اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ نے دوران سفر ہی نماز ادا کر لی اور دوسرے گروہ نے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے بنی قریظہ میں جا کر نماز عصر ادا کی۔ جب اس بات کی خبر نبی کریم علیہ السلام کو دی گئی تو آپ سلام اللہ وصلاتہ علیہ نے کسی گروہ کی سرزنش نہیں کی۔ امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس واقعہ سے یہ بات مستنبط کی ہے کہ کسی آیت یا حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنے پر کسی کی مذمت نہیں کی جا سکتی۔ اس کے علاوہ اس واقعہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ فروعی مسائل میں مجتہدین کے مختلف گروہ درست ہیں[25]۔

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ مسائل بھی استنباط کر کے ذکر کیے ہیں۔ یہ فقہ السیرۃ پر ایک عمدہ تصنیف ہے۔ امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے غزوہ بدر میں بنائے جانے والے کفار کے قیدیوں کو مدینہ کے بچوں کو تعلیم دینے کے عوض رہا کرنے کے عمل سے یہ استدلال کیا ہے کہ مال کے ساتھ ساتھ عمل کو بھی بطور فدیہ قبول کیا جا سکتا ہے[26]۔

غزوہ احد اسلامی تاریخ اور مدنی دور نبوی کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے کئی مسائل کا استنباط کیا ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

- جب جہاد کا آغاز ہو جائے اور اسلحہ پہن لیا جائے تو دشمن سے جنگ کیے بغیر واپس نہیں لوٹنا چاہیے۔
- اگر دشمن ملک پر حملہ کر دے تو شہر کے اندر رہ کر بھی لڑنا جائز ہے۔
- جو بچے نابالغ ہوں اور جنگ کی طاقت نہ رکھتے ہوں انہیں واپس بھیج دینا چاہیے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بچوں کو واپس بھیج دیا تھا۔
- عورتوں کی جہاد میں شرکت اور ان سے مدد لینا جائز ہے۔

Al-Suhaylī, Abdul Rehman ibn Abdullah, al-Imām, al-Rawḍ al-Unf, (al-Qāhirah, Dar al-Ḥadīth, 2008AD), 3/429-429

[25] ایضاً، 3/463۔

Ibid, 3/463

[26] ابن قیم الجوزیہ، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر، الامام، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، (دمشق: موسسۃ الرسالۃ، 2010ء)، 3/102۔

Ibn Qayyim al-Jawziyyah, abu Abdullah Muḥammad ibn Abībakr, al-Imām, Zād al-Mi'ād fi Hady Khayr al-'Ibād, (Demashq, Mu'assisah al-Risalah, 2010AD), 3/102

- شہادت کی تمنا کرنا اور اس کی دعا کرنا ممنوع نہیں ہے اور یہ اس موت کی تمنا کرنا نہیں ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہے۔
- اگر کوئی مسلمان زخموں کی تکلیف کی وجہ سے خودکشی کرے تو وہ اہل نار میں سے ہو گا جیسا کہ قزمان نے خودکشی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اہل نار میں سے قرار دیا۔
- شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اس کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ شہید نے جو کپڑے پہنے ہوں اس کو انہیں کپڑوں میں خون اور زخموں کے ساتھ دفن کیا جائے گا لیکن اگر کسی شہید کا کفن سلب کر لیا جائے تو اسے دوسرے کپڑوں میں کفن کیا جا سکتا ہے۔
- شہید کو شہادت کی جگہ ہی دفن کیا جائے گا اور اسے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا۔
- اگر شہید جنبی ہو تو اسے غسل دیا جائے گا جیسے حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کو فرشتوں نے غسل دیا۔
- ایک ہی قبر میں ایک سے زائد شہداء کو دفن کیا جا سکتا ہے۔
- معذور افراد اگر جنگ میں شرکت کرنا چاہیں تو جا سکتے ہیں اگرچہ یہ ان پر واجب نہیں ہے۔
- اگر کوئی مسلمان دوران قتال اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کی دیت ادا کرنا امام کی ذمہ داری ہے[27]۔

"اصح السیر" کا شمار برصغیر کی قابلِ فخر کتبِ سیرت میں ہوتا ہے۔ اس کے مصنف مولانا حکیم ابو البرکات عبد الرؤف داناپوری رحمہ اللہ ہیں۔ مولانا فقہی مزاج رکھتے تھے اس لیے ان کی کتاب "اصح السیر" میں مباحث فقہ کی ایک اچھی خاصی مقدار موجود ہے اور انہوں نے واقعاتِ سیرت کے ضمن میں استنباط مسائل کا اہتمام کیا ہے۔ چند امثلہ درج ذیل ہیں:

- غزوہ احد کے واقعات کے بعد شہداء کی تجہیز و تکفین، غسل، کفن اور نماز جنازہ کے متعلق احکام اور فقہاء کے اختلاف کا تذکرہ کیا ہے۔ شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھے جانے یا نہ پڑھے جانے کے حوالے سے مختلف

[27] ابن قیم الجوزیہ، الامام، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، 3/197 تا 217۔
Zād al-Mi'ad fi Hady Khayr al-'Ibad, 3/197-217

فقہاء کا اختلاف نقل کرنے کے بعد حنفی نقطہ نظر کی تائید کرتے ہوئے شہید کی نماز جنازہ پڑھے جانے کی طرف مصنف کا رجحان ہے[28]۔

- فتح مکہ کے واقعات کے بعد اراضی حرم کا حکم اور متعہ کی بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ مکہ عنوۃ فتح ہوا لیکن اس کے باوجود اراضی مکہ و مکانات مکہ کا حکم مختلف ہے[29]۔

اردو سیرت نگاروں میں ایک اہم نام مولانا محمد ادریس کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کا بھی ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے سیرت کے موضوع پر اہم کتاب "سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" لکھی ہے۔ اس میں مولانا نے سیرت کے وقائع سے مسائل کا استنباط بھی کیا ہے۔ مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفار کی میتوں سے مخاطب ہونے کے واقعہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ میت بھی سنتی ہے اور جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب قرار دیتے ہیں[30]۔ غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کے عمل سے مولانا رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جنگ میں اہل کفار کے طریقہ کو اختیار کرنا جائز ہے کیونکہ خندق کھود کر جنگ کرنا اہل فارس کا طریقہ تھا نا کہ اہل عرب کا طریقہ تھا۔ اسی طرح کفار کے ایجاد کردہ آلات حرب استعمال کرنا بھی جائز ہے[31]۔

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری نے "پیغمبر انسانیت "نامی ایک سیرت کی کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا اسلوب اور مصنف کا حکیمانہ استدلال اس کو دیگر کتبِ سیرت سے الگ و ممتاز کرتا ہے۔ مولانا نے سیرت کے واقعات سے مختلف مسائل بھی مستنبط کیے ہیں۔ مولانا تحریر کرتے ہیں:" قبیلہ بنو لحیان کا سردار سفیان بن خالد 4 ہجری میں مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ علیہ السلام نے ایک مختصر سی جماعت کو حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اس کی طرف بھیجا"۔ مصنف رحمہ اللہ کے

---

[28] داناپوری، عبد الرؤف، مولانا، اصح السیر، (لاہور: ادارہ اسلامیات، 2009ء)، ص156 تا160۔
Dānāpurī, Abdul Ra'uf, Aṣaḥ al-Siyar, (Lahore, Idārah Islamiyat, 2009AD), pg. 156-160

[29] ایضاً، ص278 تا280۔
Ibid, pg. 278-280

[30] کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، (لاہور: مکتبۃ الحسن، س ن)، 2/118۔
Sīrat al-Muṣṭafā ﷺ, 2/118

[31] ایضاً، ص2/339۔
Ibid, 2/339

نزدیک اس جماعت کو بھیجنے سے ہمیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خاص جنگی ترکیب اختیار کرنے کی راہنمائی ملتی ہے کہ دفاع کا مطلب صرف یہی نہیں کہ جب دشمن حملہ کرے تو صرف اسی وقت اسلحہ اٹھایا جائے بلکہ دفاع کا یہ بھی مطلب ہے کہ جوں ہی دشمن کا ہاتھ اٹھے اسے اسی وقت کاٹ دیا جائے[32]۔

غزوہ "ذات السلاسل" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی امارت میں جو لشکر بھیجا تھا اس میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ اس پر "ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے مصنف پیر کرم شاہ رحمہ اللہ کے ہاں یہ بات طے ہوتی ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو قائد بنایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ مفضول میں اس کام کے کرنے یا اس مہم کو انجام دینے کے لیے افضل سے زیادہ صلاحیت ہو[33]۔

خلاصہ بحث

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر پہلو اور گوشے میں امت محمدیہ کے لیے راہنمائی موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی زندگی کا ایک اہم دور مدنی دور ہے۔ اس دور میں جہاں اسلام کو پھلنے پھولنے کا موقعہ میسر آیا وہاں مسلمانوں کو اپنے دفاع، انسداد فتنہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مختلف وجوہات کی بنیاد پر مختلف محاذوں پر کئی جنگی مہمات بھی سر انجام دینا پڑیں۔ سیرت نگاروں نے اس کے لیے سرایا، غزوات اور مغازی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ سیرت کا یہ گوشہ بھی اپنے اندر کئی ایک راہنما اصول مسلمانوں کے لیے سموئے ہوئے ہے۔ سیرت کے ان واقعات سے استدلال کرنے اور مختلف مسائل کو مستنبط کرنے کے لیے فقہ السیرۃ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ ان غزوات و سرایا کا کچھ حصہ قرآن مجید اور صحیحین میں موجود ہے جن سے استدلال کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔ سیرت کا یہ گوشہ احادیث، سیرت و تاریخ کی دیگر کتب میں بھی موجود ہے جن میں مقبول و غیر مقبول ہر طرح کی روایات موجود ہیں۔ متعدد سیرت نگاروں نے سیرت کے واقعات سے بھی کئی مسائل مستنبط کیے ہیں۔ اس آرٹیکل میں غزوات و سرایا سے ماخوذ مسائل کی چند مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔

---

[32] پھلواری، شاہ محمد جعفر، مولانا، پیغمبر انسانیت، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2006ء)، ص 336۔

Phalwārī, Shāh Muḥammad Ja'far, Mawlānā, Peghambar Insāniyat, (Lahore, Idarah Thaqāfat Islamiyyah, 2006AD), pg. 336

[33] الازھری، پیر کرم شاہ، مولانا، ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 2011)، 4/388۔

Al-Azharī, Pīr Karam Shāh, Mawlānā, Ziā al-Nabī ﷺ, (Lahore, Ziā al-Qur'ān Publications, 2011AD), 4/388.